"مسلمان قوم ہیں یا فرقہ"

از جناب نذیر احمد صاحب قریشی - دہلی

ترجمان القرآن جلد ۱۱ عـ ۲ صفحہ ۸۲ تا ۹۴ پر ایک مضمون بعنوان "مسلمان قوم ہیں یا فرقہ" از جناب عزیز ہندی شائع ہوا ہے، جسکے پڑھنے سے مجھے کچھ شبہات اور اعتراضات پیدا ہو گئے ہیں۔ چونکہ یہ خالص علمی اور بہت ہی مفید بحث ہے اس لیے میں اپنے اعتراضات کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔

جناب عزیز ہندی نے نہایت صاف طور پر اپنا موضوع لکھ دیا ہے کہ "مسلمان قوم ہیں یا فرقہ" اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ مسلمان قوم ہیں نہ کہ فرقہ۔ اس نتیجہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر "قوم" ثابت کرنے کیلیے جو استدلال انھوں نے پیش کیا ہے ہمیں علمی حیثیت سے اس پر اعتراضات ہیں۔

مضمون عالمانہ اور فلسفیانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ "قوم" کا مفہوم یورپ کی اصطلاح "نیشن" سے لیا گیا ہے۔ سیاسی مسائل میں شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو جیسا کہ مسئلہ "قومیت" کہ جس پر اسقدر بے اصولانہ اور غیر مربوط فکر و تخیل پیش کیا جا رہا ہے۔ اور بغیر سوچے سمجھے ایسے اہم موضوع پر قلم اٹھایا جا رہا ہے۔

(۱) فاضل مضمون نگار ایک قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں جو ذیل میں درج ہے۔

"اپنا الگ مسلک اور الگ طریق زندگی رکھنا ہی کسی جماعت کا ایک الگ قوم ہونا ہے"

"الگ مسلک" اور "ایک طریق زندگی" ایسے مہمل، مبہم اور گول مول الفاظ ہیں کہ ان سے کسی کلیہ یا اصول کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ان دونوں باتوں کے اجتماع سے "الگ قوم" بن جائے۔ ہم کوشش کرینگے کہ قوم کے اجزائے ترکیبی کو بیان کریں۔

"قوم" دراصل مرکب ہوتی ہے دو بڑے اجزا سے۔ انمیں سے ایک اسکی حیثیتِ سیاسی ہے، دوسری کیفیتِ نفسی جو خاص خاص قوانین کے ماتحت پیدا ہوتی ہے، ترقی پاتی ہے اور زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ حیثیتِ سیاسی قوم کی تشکیل کے وجود کا ظہور خارجی ہے۔ اور کیفیتِ نفسی وجود اندرونی ہے۔

قوم کے سیاسی یا خارجی وجود کا تجزیہ اب ہم "نیشن" کی حیثیتِ سیاسی کا تجزیہ کرینگے تاکہ معلوم ہو سکے کہ "قوم" کے اجزائے ترکیبی میں ان کا دخل کہاں تک ہے۔ قوم چار قسم کی ہوسکتی ہے:

(الف) بسیط (Simple)

(ب) مخلوط (Complex)

(ج) مرکب (Compound)

(د) ممزوج (Hybrid)

(الف) بسیط قوم "نیشن" کا مکمل ترین نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ اس سے مراد ہے وہ گروہ انسانی جسکی زبان، نسل، مذہب، تمدن اور جغرافی حدود ایک ہوں۔ اس قسم کی قوم کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ آئیس لینڈ میں اس قسم کی قوم آباد ہے، اور ملک حجاز کی تمام آبادی پر اسی قومیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اٹلی کے مشہور انقلابی لیڈر میزنی کا "نیشن"

کے متعلق یہی تخیل تھا۔

(ب) مخلوط سے مراد وہ گروہ انسانی ہے جسمیں مختلف فرقے، نسلیں، اور مذاہب کسی سیاسی مقصد کیلیے متحد ہوجائیں جسکی مثال انگلستان اور ہنگری ہے۔

(ج) مرکب سے ایسی قوم مراد لی جاتی ہے جسمیں کئی قومیں اپنی الگ قومی حیثیت رکھتی ہیں یہ صرف وفاقی طور پر متحد ہوتی ہیں، جیسے آسٹریا (قبل از جنگ)۔ سوئٹزر لینڈ۔ کینیڈا۔

(د) ممزوج سے انسانوں کا ایسا گروہ مراد ہے جو زبان، نسل اور جغرافی حدود کے الگ الگ ہونے کے باوجود کسی اپنے خاص واحد مذہبی نظام کے ماتحت متحد ہو، اور سیاسی طاقت کا بھی حامل ہو۔ یہی وہ قسم ہے جو مسلمان قوم کیلیے مخصوص ہے۔

انسانی جماعتوں کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے جلب واخذ کا بھی سوال پیدا ہوجاتا ہے لیکن یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے اس لیے ہم اس کی تفصیلات میں نہیں پڑتے۔

قوم کی کیفیتِ نفسی کا تجزیہ "قوم" کا اندرونی وجود اسکی نفسی کیفیات ہیں جن کی تشریح علم النفس کے اہم موضوع "نفسیات اجتماع" سے ہوسکتی ہے۔ ذیل میں ان کا تجزیہ مختصراً کیا جاتا ہے۔

(۱) قانون اشتراکیتِ مسلسل (The law of continuous co-operation) جس کے ذریعہ سے مختلف وقتی عناصر ایک مقناطیسی قوت کے گرد جمع و متحد ہوجاتے ہیں۔ یہ قانون ایک قسم کی برقی رو کے ذریعہ تمام افراد قوم میں سرایت کرجاتا ہے اور اسی کے ماتحت جذبۂ اخوت پیدا ہوجاتا ہے۔

(۲) دوسرا قانون خطرات مشترکہ ہے (Commondanger) مذکورۂ بالا قانون کے تحت جو افراد باہم مربوط ہوتے ہیں ان کو مشترک خطرات سے حفاظت کا تخیل

اور زیادہ پیوست کر دیتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ حب وطن ایک بہت بڑی طاقت ہے اور "قومیت" اسی کی پیداوار ہے، لیکن اس کی بنیاد دراصل مشترک خطرہ ہی پر ہوتی ہے اس خطرہ سے حفاظت کا تخیل قوم میں سرایت کرتے ہی تیسرا نفسیاتی قانون کام کرنے لگتا ہے جو اسی کی پیداوار ہوتا ہے۔

(۳) اشتراکِ ایثاری (Sacrificial co-operation)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مشترک خطرہ پیش آنے پر تمام افرادِ قوم میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس جذبہ کا زور ان میں ایک زبردست اتصال پیدا کر دیتا ہے۔ یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ جب قوم اس درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور اپنے حدود خون کی لکیروں سے کھینچ لیتی ہے تو باقی تمام مدارج آسانی سے طے ہو جاتے ہیں[۱]۔

[۱] ترجمان القرآن۔ فاضل نقاد نے قوم کی کیفیاتِ نفسی کا یہ تجزیہ تمام تر مغربی مصنفین سے نقل کر لیا ہے، اور مغربی مصنفین پر جو مادّی نقطۂ نظر مستولی ہے اسی کو نادانستگی میں وہ بھی اختیار کر گئے ہیں۔ حالانکہ سب سے پہلے انہیں خود ان نظریات ہی پر تنقیدی نظر ڈالنی چاہیے تھی۔ اہل مغرب کے افکار میں یہ غلطی بطور اساس پائی جاتی ہے کہ وہ مادّی طاقتوں کو اصل اور روحی و نفسی طاقتوں کو فرع سمجھتے ہیں، اور ہمیشہ عالم باطن کی کیفیات کا سراغ عالم خارجی یا عالم مادّی کے محرکات ہی میں تلاش کیا کرتے ہیں۔ ان کے تمام نظریات اسی مادّہ پرستانہ رجحانِ نفس پر مبنی ہیں، اور یہ رجحان نفس فی نفسہٖ کوئی سائنٹفک حقیقت نہیں ہے جسکو چار و ناچار ماننا ہی پڑے، بلکہ یہ دراصل ایک غیر عقلی رجحان ہے جو دلیل کے بغیر پیدا ہوتا ہے، اور پھر اسکی تائید میں آثار و شواہد کو سائنٹفک طریقہ پر مرتب کر کے استدلال کی ایک نظر فریب عمارت کھڑی کر دی جاتی ہے جس سے آدمی مرعوب ہو کر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ جو نظریہ پیش کیا جا رہا ہے وہ ایک حقیقت واقعیہ ہے۔ یہاں اسکی تفصیل کا موقع نہیں، مگر اشارۃً ہم صرف اتنا بیان کرینگے کہ قوم کے باطنی وجود کا جو تجزیہ کیا گیا ہے، مشاہدات اسکی

اب یوں سمجھئے کہ اگر سیاسی اجزائے ترکیبی قوم میں موجود ہوں مگر نفسی کیفیات پیدا نہ ہوں تو یہ ایک غیر کیمیاوی مرکب ہے جو کسی نہ کسی وقت الگ الگ اجزا میں تقسیم ہو کر رہیگا - یعنی جب تک نفسی کیفیات کی برقی رو قوم میں سرایت نہ کر جائے اسوقت تک صحیح معنوں میں مرکب طیار نہیں ہوتا - یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ سیاسی اور نفسیاتی اجزائے ترکیبی کے امتزاج طے کرتی چلی جائیگی - ان سب اسباب کے پیدا ہو جانے کے ساتھ قانون تغیر (Lam of change) بھی کام کرنے لگتا ہے، جسکے ماتحت یہ نفسیاتی کیفیات ترقی کرتی ہیں اور تنزل پذیر ہوتی ہیں اگر وہ تغیر رو بہ تنزل ہے تو قوم میں سے یہ خصائل زائل ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنی آزادی کھو بیٹھتی ہے - ایسی مثالیں بہت ہیں کہ ایک نسل، ایک مذہب، ایک تمدن کی مالک اقوام اجنبی اقوام کی محکوم ہیں - اسلامی ممالک میں اس قسم کی مثالیں آپ کو کثرت سے ملینگی -

مندرجہ بالا مختصر میں وضاحت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ " الگ مسلک " اور الگ طریق زندگی " رکھنا کسی جماعت کو ایک الگ قوم نہیں بناتا بلکہ اور بھی ضروری عناصر ہیں جو " قوم " بنانے میں ممد و معاون ہیں -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۵ - تائید نہیں کرتے - خود ہندوستان میں قانون اشتراک مسلسل، قانون خطرات مشترکہ، اور قانون اشتراک ایثاری، تینوں کا عمل گزشتہ آٹھ صدیوں سے کام کر رہا ہے، اور مخلوط یا مرکب قومیت بنانے کیلیے بھی خارجی عناصر موجود رہے ہیں، مگر آج تک ہندو اور مسلمان کسی قسم کی بھی قوم نہ بن سکے - اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی دلیل اس امر کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ قوم کے وجود و ترکیب ان تین نفسیاتی قوانین کے عمل اور خارجی توالیب کی فراہمی سے نہیں ہوتی، بلکہ کوئی اور چیز بطور اساس اسکے اندر موجود ہوتی ہے جسکے لیے یہ چیزیں محض مددگار دین سکتی ہیں - جناب عزیز نے "دراصل" "الگ مسلک" اور "الگ طرز زندگی" سے اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا، جنکو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ کسی گروہ کا ایک مستقل تہذیب، اور اس تہذیب کے زیر اثر ایک خاص تمدن رکھنا، اسکی قومیت کی (۵۶) اساس ہے -

(۲) جناب عزیز ایک اور نظریہ پیش کرتے ہیں جو ذیل میں درج ہے :

"اقوام کا دفعتہً چولا بدل ڈالنا تاریخ، تجربہ انسانی، اور فطرت کے آئین کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے متعدد اقوام ہند کا محض مقامی تعلق کی بنا پر ایک واحد قومیت میں ڈھل جانا نہایت ہی غیر اغلب اور ناممکن ہے۔"

جہاں تک اس نظریہ کے پہلے حصہ کا تعلق ہے کہ "اقوام دفعتہً چولا نہیں بدلتیں بالکل درست اور صحیح ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ فاضل مضمون نگار نے اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکال لیا کہ متعدد اقوام ہند کا محض مقامی تعلق کی بنا پر ایک واحد قومیت میں ڈھل جانا غیر اغلب اور ناممکن ہے۔ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ متعدد اقوام ہند کا ایک واحد قومیت میں ڈھل جانا نہایت اغلب اور بہت ممکن ہے۔ ہم کہینگے کہ متحدہ قومیت میں ڈھالے جانیکا عمل ہندوستان میں بہت زور شور سے شروع ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے متحدہ قومیت پیدا ہوتے میں مقامی تعلق کی اہمیت کو نہیں سمجھا، اور دوسرے قوانین جو اس قومیت کے پیدا کرنے میں کام کرتے ہیں انکو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اسکو نظر انداز نہ کیجیے کہ "متحدہ قومیت" کا تخیل بھی یورپ کے سیاسی مفکرین کی جدید پیداوار ہے۔ ابتدائی زمانہ میں قوم کی بنیاد مختلف نسلوں اور جنسوں پر نہیں رکھی جاتی تھی، بلکہ قوم ایک ہی نسل کے مختلف قبیلوں اور گروہوں کے مجموعہ کا نام تھا۔ اور انسانوں کی قومیت وطن کی بنا پر تبدیل نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس زمانہ کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر جانور جو شاہی اصطبل میں پیدا ہو یا پرورش پائے گھوڑا نہیں بن سکتا۔ جدید سائنس نے اس پرانے نظریہ کو تبدیل کر دیا ہے۔ اٹھارھویں صدی کے فلسفیوں نے جو نظریۂ قومیت پیش کیا تھا وہ بھی پرانا، فرسودہ اور بیکار سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کا قومی نظام بدل رہا ہے اور اب دنیا

ایک نیا چولا پہن رہی ہے۔ اٹھارویں صدی کے "ونیشن" کے تخیل کی آخری شکست جنگِ عظیم سے ثابت ہے۔ ہندوستان کا سیاسی میلان یورپ کے جدید نظریہ "اسٹیٹ" کی طرف ہے۔ اس "اسٹیٹ" کی مذہب اور قدیم تمدن سے جنگ ہے۔ یہ "اسٹیٹ" وطنی قومیت کی بنیادوں پر کھڑی کی جارہی ہے۔ اسقدر تمہید کے بعد اب دیکھیے کہ متحدہ قومیت کن کن قوانین کے ماتحت کام کرتی ہے۔

(۱) سب سے پہلے مختلف اقوام میں وطنی قومیت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور مختلف اقوام ملک کی آزادی کی خاطر ایک سلسلہ میں منسلک ہو جاتی ہیں۔ اس قانون کا لازمی نتیجہ وطنی عصبیت کے جذبہ کا پیدا ہونا ہے۔ وہ تمام فرقے یا اقوام جو اس وطنی قومیت میں شامل نہیں ہوتے اُن کے خلاف وطنی تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور ان کو ذلیل و خوار سمجھا جانے لگتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس وطنی قومیت کی بنا بھی مشترکہ خطرہ ہے۔ اور اسکی انتہا دوسری اقوام پر حملہ کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔

(۲) یہ ایک جارحانہ جذبہ (Aggressive Attitude) ہے۔ جو فرقے یا قومیں متحدہ قومیت کے دائرہ میں شامل نہیں ہوتیں ان پر ظلم کرنے کے خصائل متحدہ قومیت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ چیز بھی متحدہ قومیت پیدا کرنے میں مدد کرتی ہے، جیسا کہ روس میں ہوا۔

(۳) تیسری چیز نفسیات ترغیب ہے۔ اور یہ حربہ نئی نسلوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔ موجودہ نسل کو جارحانہ تدابیر سے مرعوب اور منکوب کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ دب کر رہ جائیں۔ اور آئندہ نسل کو ترغیبی تدابیر سے اس طرح متاثر کیا جاتا ہے کہ وہ متحدہ قومیت کی حامل بن کر اٹھیں۔

(۴) چہارم قانون تغیر کا سب سے بڑا جزو "طاقت" ہے۔ اگر متحدہ قومیت کی تحریک طاقت کی مالک ہو تو وہ کمزور اقوام کو اپنے میں جذب کریگی۔ لیکن اگر مستقل قومیتیں طاقت ور ہوں

تو متحدہ قومیت کی تحریک فنا ہو جائیگی -

جب یہ چاروں اجزا تحریک آزادی کی بھٹی میں پگھلائے جاتے ہیں تو ایک نیا مرکب طیار ہو جاتا ہے جسکا نام متحدہ قومیت ہے - فلاسفہ کا خیال ہے کہ جب یہ چاروں عنصر کام کرنے لگتے ہیں تو تیسری پشت میں متحدہ قومیت پیدا ہو جائیگی جو پہلی اقوام سے بالکل ایک مختلف چیز ہوگی - ان قوانین کے جاری اور ساری ہو جانے پر ماحول اور دیگر اسباب کے مطابق ممکن ہے قسم (الف) کی قومیت قسم (ب) کی قومیت میں تبدیل ہو جائے اور (ب) (ج) میں تبدیل ہو جائے - اور یہ تغیر کچھ زیادہ عرصہ میں رونما نہیں ہوتا بلکہ بہت جلد عمل پذیر ہو جاتا ہے - البتہ (د) کی قسم میں تبدیلی ذرا دیر میں واقع ہوتی ہے جسکی مثال مسلمان قوم ہے - تاریخ سے ثابت ہے کہ اٹھارہویں صدی سے یورپ میں انقلابات رونما ہو رہے تھے اور یورپین اقوام ان کو جلد از جلد قبول کرتی جا رہی تھیں - لیکن عثمانی ترکوں میں ایک بہت بڑے عرصہ کے بعد یہ انقلاب اثر پذیر ہو سکا -

ذرا تاریخ عالم پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ امریکہ میں یونانی، اطالوی، فرانسیسی، جرمنی، بلغاری وغیرہ اقوام سے کس طرح امریکن قوم پیدا ہو گئی - یہ قوم صرف نفسیات ترغیب کے ذریعہ پیدا کی گئی ہے - امریکہ کے اسکولوں اور کالجوں میں نئی نسلوں کو متحدہ قومیت کی تعلیم دی گئی جہاں سے نئی نسلیں امریکن قومیت کا جامہ پہن کر نکلیں - ہندوستان میں بھی دو جدید تعلیمی اسکیمیں اسی مطلب کیلیے طیار کی گئی ہیں (وردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم) -

اگر روس میں جہاں تقریباً اڑتالیس مختلف اقوام آباد ہیں، اکثر اقوام کی مرضی کے خلاف متحدہ قومیت پیدا کی جا سکتی ہے تو وہ کونسی ایسی رکاوٹیں ہیں جنکی وجہ سے ہندوستان میں جدید متحدہ قومیت پیدا کرنا غیر ممکن ہو - روس میں تعلیم اور جبر دونوں حربے استعمال کیے جا رہے ہیں،

اور یہاں بھی متحدہ قومیت کی تحریک، حکومت کے اقتدار سے مسلح ہو کر اپنی حربوں کو استعمال کر سکتی ہے اور کر رہی ہے۔

میرے ان خیالات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں متحدہ قومیت کا حامی ہوں سوال صرف یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگرس جس نوعیت اور طریق سے ملکی آزادی کے میدان پر سے مسلمانوں کو متحدہ قومیت کا شکار بنا رہی ہے اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے۔ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ متحدہ قومیت بننا غیر ممکن ہے تو ہم مطمئن ہو کر بیٹھ جائینگے۔ اور اگر یہ جان لیں کہ متحدہ قومیت بنائی جا سکتی ہے، اور زمانۂ قریب میں ہماری اسلامی قومیت کا مٹ جانا اغلب ہے، تو البتہ ہم چوکنے ہو کر اس سے بچنے کی کوشش کرینگے۔

جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں مسلمان قسم (د) کے تحت میں آتے ہیں، یعنی ان میں کسی نئے نظام کو فوراً تسلیم کر کے جلدی تغیر رونما نہیں ہوتا۔ ہمیں اسکی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں ہے آپ ہندوستان میں مسلمانوں کی قوم پر نظر ڈالیں آپ کو یہ اصول ہر جگہ کام کرتا ہوا نظر آئیگا۔ سر سیدؒ کو بھی اسی اصول سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ متحدہ قومیت میں شامل ہی نہیں ہو سکتے۔ ترکی اور ایران میں جو انقلابات ہوئے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ یہ وقت ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی مدبرین اپنے قومی تحفظ کی مؤثر تدابیر عمل میں لائیں، ورنہ میرا خیال ہے کہ تیسری پشت میں مسلمان اس متحدہ قومیت ہی کے ایک جز ہو کر رہ جائینگے۔

(۳) فاضل مضمون نگار نے "نیشن" کے متعلق یورپ کا مستعمل نظریہ یوں بیان کیا ہے:-

"چونکہ "نیشن" کی جو موجود تعریف یورپ میں مستعمل ہے اس کے لیے "اسٹیٹ" کا ہونا لازمی ہے۔ یعنی وہ صرف اسی مجموعۂ افراد کو "نیشن" کا نام دینگے جو اپنی "اسٹیٹ" کے اندر آزاد و خود مختار زندگی بسر کر رہی ہو۔"

یہ غلط فہمی "نیشن" اور "اسٹیٹ" کے فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ ایسی غلطیاں اکثر ان مصنفین سے ہوئی ہیں جو علم السیاست پر کافی عبور نہیں رکھتے۔ "نیشن" اور "اسٹیٹ" کے مفہوم کو خلط ملط کر دیا گیا ہے اور ایک کو دوسرے کا مترادف سمجھا گیا ہے۔ میں چند مثالیں اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے پیش کرتا ہوں۔ سکاٹش (باشندگان سکاٹ لینڈ) اور ویلش (باشندگان ویلز) "نیشن" ہیں لیکن "اسٹیٹ" نہیں ہیں۔ اسی طرح سے فینی (باشندگان فن لینڈ) قوم ہیں لیکن اسٹیٹ نہیں۔ آسٹریا ہنگری اسٹیٹ تھی مگر نیشن نہیں تھی۔ یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ یورپ میں "نیشن" کی مستعمل تعریف کی رو سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی "اسٹیٹ" کے اندر خود مختار زندگی بسر کرے۔

ہمارے موضوع سے باہر ہے ورنہ ہم تفصیلاً "اسٹیٹ" کے تخیل کے ارتقائی مدارج بیان کرتے۔ لیکن اس جگہ نہایت اختصار کے ساتھ ہم "اسٹیٹ" کی توضیح کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ جب سے سماج کا ظہور ہوا اسی وقت سے "اسٹیٹ" کا تخیل بھی پیدا ہوا۔ افلاطون اور ارسطو نے اس نظریہ کو پیش کیا۔ سولہویں صدی عیسوی سے یورپ کے مختلف الخیال فلاسفہ اسکی حسب ضرورت تشریح کرتے رہے۔ "اسٹیٹ" کا جدید نظریہ ھیگل کے فلسفیانہ نظریہ "اسٹیٹ" کی توضیح سمجھی جاتی ہے۔ "اسٹیٹ" (سلطنت) ایک سیاسی ہستی کا نام ہے۔ یہ اصطلاح انسانوں کی اس جماعت کیلئے استعمال کی جاتی ہے جو کسی واحد نظام حکومت کے ماتحت ہو اور اُس جماعت کی حیثیت مختار یا ایجنٹ کی ہوتی ہے جو آئین کے مطابق حکومت کرتی ہے۔ یہ آئین خواہ لکھا ہوا (Written.) ہو، جیسا کہ ممالک متحدہ امریکہ کا ہے یا بے لکھا (Unwritten.) ہو، جیسا کہ برطانیہ کا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ "اسٹیٹ" اور "نیشن" ایک ہی ہوں۔ "نیشن" کے اجزائے ترکیبی تمدن، جذبات، نسل اور زبان

وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ اسٹیٹ کے اجزائے ترکیبی کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(۴) ایک اور نظریہ جو فاضل مقالہ نگار نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے :۔

"کوئی "نیشن" کسی دوسری نیشن پر حکمراں نہیں ہو سکتی۔ یہ اصول تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محکوم قوم پر لفظ "نیشن" کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ جیسا کہ اوپر کسی جگہ بیان ہو چکا ہے "نیشن صرف اسی مجموعہ افراد کو کہا جاتا ہے جو اپنی حدود کے اندر آزاد و خود مختار زندگی بسر کر رہے ہوں اور "اسٹیٹ" کے مظہر ہوں"۔

جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے "نیشن" کیلیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مع اسٹیٹ کی بھی مظہر ہو۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ محکوم قوم پر لفظ "نیشن کا اطلاق نہیں ہوتا تو پھر جناب عزیز ہندی مسلمانان ہند کو "نیشن" کس اصول کے ماتحت تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تو محکوم ہیں ؟

فاضل مضمون نگار نے ایک بہت وسیع قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ "کوئی نیشن کسی دوسری نیشن پر حکمراں نہیں ہو سکتی" اور ساتھ ہی یہ بھی اضافہ فرمادیا کہ "یہ اصول تسلیم کر لیا گیا ہے"۔ کیا میں فاضل مضمون نگار سے محض علمی معلومات کے اضافہ کی خاطر دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ یہ اصول کس جگہ طے ہوا اور کون کونسی اقوام نے اسکو تسلیم کر لیا ہے ؟ یا یہ محض سیاسی مفکرین کی خوش خیالیاں ہی ہیں ؟ جہانتک یورپ کی تاریخ کا تعلق ہے اور جس کسی نے بھی یورپ کی سیاسی اور آئینی تاریخ کا ذرا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہے کہ یورپ کے سیاسی مدبرین نے کبھی اس نظریہ کو تسلیم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اسکا مضحکہ اڑایا اور اسکی تذلیل کی۔ جنگِ عظیم کے بعد پریزیڈنٹ ولسن نے

جب اقوام عالم کے قصرِ آزادی کا بنیادی پتھر نصب کرنے کے لیئے یورپ کی سرزمین پر قدم رکھا تو علم سیاست سے دلچسپی رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ برطانوی تدبیر کے ہتھوڑے نے کس طرح اس قصرِ آزادی کی اینٹ سے اینٹ بجاکر اسکی خاکِ پریشان کو ورسیلز کی فضا میں اُڑا دیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جناب عزیز نے ایک بہت ہی اہم اور دلچسپ بحث چھیڑ دی ہے جسکی تفصیلات میں جانے کے معنی یہ ہیں کہ اٹھارہویں صدی سے اسوقت تک کی یورپ کی سیاسی تاریخ کی چھان بین کی جائے۔ لیکن اس مختصر سے مضمون میں اسکی گنجائش کہاں! دیکھنا یہ ہے کہ یورپ نے آزاد نیشن کا جو تخیل پیش کیا ہے وہ کیا ہے؟ آیا یہ ایک نیشن دوسری نیشن کی آزادی کو برباد نہیں کریگی یا یہ کہ "میری نیشن"، "میرا ملک" آزاد ہو خواہ دوسروں کی آزادی یا دوسروں کا ملک برباد ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ایک قسم کے تاریخی واقعات سے دو مختلف نتائج نکال لیے جائیں۔ لیکن میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ یورپ کی یہی تلقین رہی کہ "میری نیشن" اور "میرا ملک" ہی وہ فلسفہ ہے جو یورپ کے سیاسی مفکرین نے پیش کیا ہے۔ متقدمین فلاسفہ نے یہ تلقین کی کہ "میری قوم" سب سے افضل اور آزاد ہے، اور یہی سب سے زیادہ خداوند تعالیٰ کی رحمتوں کی حقدار ہے۔ متاخرین نے "نیشن" کے تخیل کو اتنا بڑھایا کہ خدا کو بھی پس پشت ڈال دیا اور صرف نیشن ہی نیشن باقی رہ گئی۔ اسکی مثال میں ہم مختصر طور پر مختلف ممالک کے مصنفین کے نظریے پیش کرتے ہیں۔

ملٹن (Milton.) کہتا ہے "خدا نے اپنی انگریز قوم کو سب سے پہلے اپنی ہستی سے روشناس کرایا"

نارتھ کلف (Northcliff.) کہتا ہے "حکومت کرنا برطانیہ کا حق ہے"۔

امریکن کہتے ہیں "امریکہ خدا کا اپنا ملک ہے"۔

میزنی (Mazzini) کہتا ہے "اٹلی ہی مذہب ہے"۔

گیسٹن ری ایو (Gaston Riou) کہتا ہے "غیر فانی فرانس، انسانی حقوق کا علم بردار ہے"۔

جرمنی سے آواز آتی ہے "ہم ہیں مقدس قوم۔ ہماری قوم دنیا کی تمام قومیتوں کی جڑ بنیاد ہے"۔

روس پکارنے لگا "قومیت ہی خدا ہے"۔

غرضکہ سرزمین یورپ کی ہر قوم نے اپنی آزادی کا نقارہ بجایا مگر دوسروں کی آزادی کو آزادی بالکل نہ سمجھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یورپ کی ایک آزاد قوم دوسری قوم کی آزادی کو بے دریغ برباد کر دیتی ہے اور اسکو احساس بھی نہیں ہوتا کہ کسی قوم کی آزادی اس نے برباد کر ڈالی ہے۔

اب ہم چند تاریخی شواہد سے ثابت کرینگے کہ یہ اصول کہ "کوئی نیشن کسی دوسری نیشن پر حکمران نہیں ہو سکتی" کم از کم عملاً کبھی تسلیم نہیں کیا گیا۔

۱۷۸۹ء سے لیکر ۱۸۱۵ء تک یورپ کے سیاسی تخیل میں بہت تغیر رونما ہو چکا تھا۔ اس دور میں دو اصول بڑی شد و مد کے ساتھ پیش کیے گئے۔ پہلا یہ کہ حکومت رعایا کی مرضی کے موافق چلائی جائے۔ دوسرا یہ کہ انسانی حقوق کی تشریح اور مطالبہ کیا جائے۔ ان دونوں اصولوں کا اعلان امریکہ نے ۱۷۷۶ء میں اور فرانس نے ۱۷۸۹ء میں کیا۔ حقوق انسانی کا سوال "نیشن" کے مسئلہ سے ملحق ہے۔ آیئے اب ہم دیکھیں کہ عملاً اسکے بعد کیا ہوا۔

۱۸۱۵ء کی ویئنا کی کانگرس میں "نیشن" کے اصولوں کو انگلستان نے کچل کر رکھ دیا۔ آئرش قوم کی آزادی کے مسئلہ کو کرامویل نے اسکا سر کچل کر حل کیا۔ اور ۱۸۴۸ء میں آئرلینڈ کی آزادی کو بے دریغانہ تباہ کیا گیا۔

۱۸۵۶ء کی کانگرس میں "نیشن" کا مسئلہ فرانس کی طرف سے پیش ہوا مگر پھر انگلستان نے اسکو رد کردیا۔

۱۸۷۹ء کی برلن کانگرس میں رومانیا، سربیا، مانٹی نیگرو کو ظاہری طور پر ترکی سے آزاد کرایا گیا مگر اسی کانگرس میں بوسینا اور ہرزیگووینا کو آسٹریا کے ماتحت کیا گیا اور قبرص کو برطانیہ کے ماتحت۔

۱۸۸۲ء میں مصر کی آزادی کو برطانیہ نے برباد کیا۔

انگلستان نے "نیشن" کے تخیل کا جس حربہ سے مقابلہ کیا وہ توازن قوت (Balance of Power) کا مسئلہ تھا۔

۱۹۱۹ء کی جنگ عظیم اور ورسیلز کے صلح نامہ نے فیصلہ کردیا کہ نیشن کے تخیل کو شکست ہوئی۔

۱۸۱۵ء سے ۱۹۱۴ء تک کے تمام واقعات دیکھ لیجئے۔ ان میں سیاسی مفکرین کے تخیل "نیشن" اور سیاسی مدبرین کے تخیل "شہنشاہیت" میں جنگ نظر آتی ہے، جسکا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ نیشن کے تخیل کو شکست ہوئی۔ آپ دیکھینگے کہ اسی دور میں ایک طرف تو یونان، بلقان وغیرہ کو ترکی سے آزادی دلوائی جاتی ہے مگر دوسری طرف فرانس جو انسانی حقوق کا علمبردار بنتا ہے، الجزائر اور ٹیونس کی آزادی کو تباہ کردیتا ہے۔ اٹلی خود اپنی آزادی کا علم بلند کرتا ہے اور طرابلس اور حبشہ کی آزادی کو ہڑپ کرجاتا ہے۔ برطانیہ آزادی کا مدعی

بن کر اٹھتا ہے اور ہندوستان، مصر، فلسطین اور دیگر مشرقی ممالک کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑتا نظر آتا ہے - جاپان کوریا اور چین کی آزادی کو چھین رہا ہے - مگر یہ سب کچھ "نیشن" اور "آرا دنیشن" کے اصولوں کے تحت میں ہو رہا ہے - اگر واقعات کو واقعات کی بنا پر دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس دور میں یہ اصول کبھی تسلیم نہیں ہوا کہ "کوئی نیشن کسی دوسری نیشن پر حکمران نہیں ہو سکتی" بلکہ مطلق العنان حکومتوں کو "قومیت" کا جامہ پہنا کر سامراجی کا بول بالا کیا گیا ہے - اور بالکل یہی چیز ہے جسکا اعادہ ہندوستان کی قومی کانگرس کمزور مسلمانوں پر "قومیت" کا کمبل ڈال کر کرنا چاہتی ہے -

ہم نے خالص علمی حیثیت سے اس مضمون پر تنقیدی نظر ڈالی ہے - اس مضمون میں اسقدر گنجائش نہیں ہے کہ ہم "نیشن" کے نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے بیان کریں کیونکہ ابھی بہت سے ایسے پہلو ہیں جنکو ہمیں نظر انداز کرنا پڑا ہے -

---

جواب

از جناب عزیز ہندی

میں جناب نذیر احمد صاحب قریشی کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میرے مضمون "مسلمان قوم ہیں یا فرقہ" پر فاضلانہ تنقید فرما کر مجھے ایک بار پھر اس امر کا موقع دیا ہے کہ میں اس موضوع پر اپنے ناچیز خیالات کو ترجمان القرآن کے ذریعہ سے پیش کروں - لیکن قبل اس کے کہ میں اصل موضوع پر قلم اٹھاؤں میں یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے مدیر صاحب ترجمان القرآن نے صرف چند صفحوں میں اپنا مطلب بیان کرنے کی اجازت دی ہے حالانکہ مضمون کی اہمیت کا تقاضا